مولانا حسن مثنیٰ ندوی

علوم اسلامیہ کی تشکیل جدید

ایک عالم و صوفی کا تبصرہ!

فقہ جدید کی تشکیل کوئی نئی آواز نہیں۔ پہلے بھی بارہا یہ صدا بلند ہو چکی ہے۔ علامہ ابن تیمیہ کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اہل سنت کے چاروں مذاہب کی فقہ کو ملا کر ایک جدید فقہ تیار کرنے کی رائے رکھتے تھے۔ علامہ اقبال کہتے تھے اس زمانے کی اہم ترین ضرورت فقہ کی تشکیل نو ہے۔ اقبال سے پہلے بھی کئی اہل علم بزرگ اس کے حامی گزرے ہیں ان میں سے فقط ایک کا ہم اس وقت ذکر کریں گے۔ یہ بزرگ حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی ہیں جو اپنے دور کے جید عالم اور بلند پایہ صوفی تھے اور ندوۃ العلماء کے موسسین اولین میں تھے حضرت شاہ صاحب پھلواروی شاگرد تھے مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے اور مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ کے۔ اور طریقت میں خلیفہ تھے مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادیؒ کے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے گویا جامع الشریعت والطریقت تھے۔ اس کے باوجود بڑے ہی روشن خیال اور وسیع المشرب تھے۔ کبھی کسی کی تکفیر نہیں کی۔ اختلاف خیال جتنا ہوتا اسے اس سے آگے نہ بڑھنے دیتے اور جتنا اتفاق ہوتا اس کی اپنی حمایت سے باز نہ آتے۔ سر سید رحمہ کے بہت سے خیالات سے انہیں شدید اختلاف تھا لیکن اس کے باوجود ان کی تعلیمی تحریک کے زبردست حامیوں میں تھے حتیٰ کہ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی "حضرت شاہ صاحب کی تقریریں اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس مترادف چیزیں تھیں"

ندوۃ العلماء کی تاسیس ۱۳۱۰ھ میں ہوئی تھی اور اس کا پہلا سالانہ اجلاس ۱۳۱۱ھ میں کانپور میں ہوا تھا۔ اس موقع پر جناب شاہ صاحب نے جو تقریر فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ندوۃ العلماء کی بنیاد اسی مقصد کے لئے رکھی گئی تھی کہ فقہ کی ——— اور نہ صرف فقہ کی بلکہ تصوف اور دوسرے علوم کی بھی ——— تشکیل نو کی جائے۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ تقریر "نجم الاخبار" اٹاوہ میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد اسے سر سیدؒ نے اپنے اخبار "تہذیب الاخلاق" (مجریہ یکم محرم الحرام ۱۳۱۲ھ) میں شائع کیا اور اس پر یہ نوٹ لکھا

شاہ سلیمان کا نیچریانہ وعظ

"جناب مولوی سلیمان شاہ صاحب جو بہت بڑے عالم اور سجادہ نشین صوفیائے کرام پھلواری ہیں ایک نہایت عمدہ اور مفید لکچر مجلس ندوۃ العلماء میں دیا تھا جس کی نسبت ہم نے سنا ہے کہ بعض مولویوں نے اس کو پڑھنے نہیں دیا۔ درحقیقت وہ لکچر جس طرح نیچریانہ ہے اور اسی لئے ہم اس کو جس طرح نجم الاخبار اٹاوہ میں چھپا ہے اپنے تہذیب الاخلاق میں ...

[illegible]

فرمایا اس سے تو وہ خود نیچری معلوم ہوتے ہیں ؎

وجد و منع بادہ صوفی! ایں چہ کافر نعمتی ست
منکر مے بودن و ہمرنگ مستاں زیستن

مقالہ طویل ہے اس لئے ہم صرف اسکے کچھ ہی حصے نقل کریں گے۔ پہلے مقرر نے علم کلام، علم فقہ اور علم تصوف کا ماخذ کتاب و سنت سے بتانے کے بعد یہ بتایا ہے کہ ان علوم کا سبب ایجاد کیا ہوا اور پھر رفتہ رفتہ ان علوم میں کس طرح ارتقا ہوتا گیا، یہاں تک کہ متاخر تصانیف کا رنگ متقدم تصانیف سے بالکل مختلف ہو گیا۔

وہ فرماتے ہیں :-

"علم ایمان کا نام کلام و عقاید اور مسائل عبادات کا نام فقہ اور مسائل احسان کا نام تصوف مشہور ہوا اور ماخذ اصلی ان سب علوم کا وہی قرآن و حدیث ہے ——— پھر جب زمانے نے اور بھی رنگ بدلا اور فلسفے نے اپنا علم نصب کیا اور اپنی جماعت میں سے معتزلہ و جبریہ و قدریہ پیدا ہو گئے اور ادھر مخالفین اسلام نے بھی علمی حملے شروع کئے تو اہل عقائد کو ضرور ہوا کہ مضمون وجادلھم بالتی ھی احسن اپنے عقائد کو دلیلوں سے مضبوط کریں اور مخالفین کے شبہات کو انہیں کے مسلمات سے دفع کریں، پس اس زمانے سے علم عقائد میں مسئلہ وجوب و امکان و حدوث و قدم و شیئیت و غیریت، صفات، و اثبات جزء لا یتجزی و اثبات معجزہ بدلائل و براہین وغیرہ ذالک من المباحث کا اضافہ کیا گیا رفتہ رفتہ مثل تجرید و شرح تجرید و عضدیہ و شروح مقاصد و مواقف و نسفیہ وغیرہا کے ایک نئے انداز کی کتابیں تالیف ہو گئیں، ان کتابوں کو تھوڑا قبل کی کتابوں سے ملاؤ مثلاً فقہ اکبر و قواعد العقائد و عقیدہ طحاویہ، تو ان کو دوسری ہی شے پاؤ گے۔

علامہ ابن خلدون کے مقدمے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فرق مخالفین کی تردید اور عقائد کے مسائل کو بدلائل عقلیہ منضبط کرنا پہلے امام ابوالحسن اشعری نے کیا۔ اس کے بعد قاضی ابوبکر باقلانی امام الحرمین نے اس رنگ کو اور بھی پختہ کیا پھر منطق و فلسفہ کی جب زیادہ اشاعت ہوئی تو امام غزالی نے اس کی تردید شروع کی اور تہافت الفلاسفہ وغیرہ لکھیں، پھر امام ابن الخطیب اور اکابر علما نے عقائد میں اسی نہج کو اختیار کیا مگر اصل وہی ارشاد امام باقلانی ہے، واللہ اعلم بالصواب وعلیٰ ہذا القیاس جب فقہا نے دیکھا کہ سمجھ لوگوں کی کم ہو چلی اور احادیث نبوی ضعیف و موضوع و منکر و معضل و شاذ ہر قسم کی شائع و شائع ہیں، تو ان لوگوں نے اپنے خیال کو تھوڑی وسعت دے کر احادیث کے لئے کچھ قواعد مقرر کر کے حسن و صحیح کو پرکھ کر اس سے مسائل عبادات و معاملات متخرج کئے تاکہ زمانے کے لوگوں کو عمل در آمد میں دقت نہ ہو، امام شافعی، امام زفر، امام محمد ابو یوسف نے امالی، و جامع صغیر و آثار و حجج وغیرہ وغیرہ تالیف کیں، پھر تو جوں جوں زمانے کی ضرورتیں بڑھتی گئیں فقہی تالیفات کا انداز بھی اسی طرح بدلتا رہا۔ یہاں تک کہ اقناع و قدوری و ہدایہ اور رفتہ رفتہ در المختار و فتح المعین اور فتاوی ہندیہ وغیرہ تک مدون ہو گئیں، ان کتابوں کے انداز کو جامع صغیر ہی سے ملاؤ آسمان و زمین

کا فرق ہو گئے و علیٰ ہذا القیاس حضرات اہل احسان یعنی صوفیائے کرام نے بھی قرن اول کے کچھ تھوڑے ہی دنوں بعد دیکھا کہ اب قلوب میں رقت بہت کم ہو گئی اور طرح طرح کے آنا مانہ خیالات پیدا ہونے لگے جناب باری کی معیت اور حضور کا دھیان اب بہت کم ہو گیا اور خشوع و خضوع و ذوق و شوق و مواجید و توحید یہ مفقود ہونے لگے تو ان لوگوں نے محض صحبت اور ارادت کے کشف کو ناکافی سمجھ کر بضرورت زمانہ ایک نیا انداز پیدا کیا یعنی پہلے تو قرآن و حدیث سے کتاب الزہد والرقاق کو جمع کیا مثل کتاب الزہد عبد اللہ بن مبارک و احمد بن حنبل وغیرہ، پھر اس کے اس اجمال کی تفصیل میں کتابیں لکھیں، اور مقامات صبر و رضا و زہد و شکر و توبہ و خوف و رجاء و فقر و توکل و محبت و ذوق و شوق و معارف توحید و تجلیات کو بشرح و بسط لکھا رسالہ قشیریہ و قوت القلوب و احیاء العلوم و فتوح الغیب و آداب المریدین و عوارف وغیرہ ذلک ضخیم و طویل مؤلفات طیار ہو گئے۔ پھر بضرورت زمانہ کچھ نہ کچھ اور بھی مضامین ملحق خارج ہوتے رہے، مکتوبات، ملفوظات کا ایک نیا سلسلہ قائم ہو گیا۔ اب دور نہ جاؤ ذرا ان مکتوبات و ملفوظات کو فتوح الغیب و احیاء سے ملا لو پھر انصاف کرو کہ کیا نسبت ہے مجھ سا اناڑی بھی تو بول اٹھے گا کہ ایں زمین و آسمانے دیگر است، مگر ماہرین فن یہ ضرور کہیں گے کہ ہاں فرق تو بہت ہے مگر زمانے کی ضرورت اس کی مقتضی تھی۔ بے شک ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

اور ان تینوں حضرات متکلم و فقیہ و صوفی کو علوم الٰہیہ کی ضرورتیں بھی وقتاً فوقتاً مختلف نہجوں سے پڑتی رہیں، اہل کلام نے منطق و ریاضی و فلسفہ و حکمت مروجۂ زمانہ سے مذاق پیدا کیا، فقہاء نے محاورات قرآنی و حدیثی کو سمجھنے کے لئے صرف و نحو و بلاغت و معانی و ماضاہا کو اختیار کیا پھر اس سے اضافات و دلالات و امر و نہی وغیرہ ذلک مباحث کو انتخاب کر کے اس کا اصول فقہ نام رکھا، اور صوفیہ نے بھی عملی طور سے چلات و خلوات و حبس نفس و لحاظ انفاس داخلی و خارجی وغیرہ وغیرہ کی مشاقی کی اور یہی ان کے علوم الٰہیہ ٹھہرے اور یہ علوم الٰہیہ بھی جو بطور اختتام کے ہیں اپنے محدود مورد کے اتباع میں بضرورت زمانہ مختلف رنگوں میں رنگے جاتے ہیں ان جزیوں کو بھی ایک طور سے قرار نہ رہا۔ مدارس جہاں علوم و فنون پڑھائے جاتے تھے، وہ بھی ایک سلسلے کی مدت تک پابند نہ رہے۔ سو پچاس برس بعد ضرور ایک نئی آنچ پیدا ہو جاتی تھی۔ اگلے سلسلہ علمی کو تاریخوں میں پڑھو پھر آخری سلسلہ درس نظامی کو دیکھو شتان بینہما۔ اور اس پر طرفہ یہ ہے کہ اگرچہ اس کو حضرات درس نظامی نام رکھتے ہیں مگر بیسیوں کتابیں ایسی اضافہ ہو گئیں جس کی اس سلسلے کے موجد حضرت مولانا نظام الدین قدس سرہ کو بھی خبر نہ تھی مثلاً حمد اللہ قاضی غلام یحییٰ، ملا حسن، ہدیہ سعیدیہ وغیرہ ذلک، اس پر طرفہ تماشا یہ ہے کہ بعض علماء اس کو بھی ایک نظم مذہبی تصور کرتے ہیں اور نہ معلوم اس درس نظامی کا کیا مطلب سمجھتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست مولوی نے میری انجمن کے خط کے جواب میں لکھا کہ ہاں میرے مدرسے کا نصاب وہی ہے جو دو سو برس سے ہندوستان کے علماء کا مقبول ہے جس کو لوگ درس نظامیہ کہتے ہیں، مجھے اس تحریر پر سخت ہنسی آئی کہ اس غریب ملا کو یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت مولانا نظام الدین صاحب کو کتنا زمانہ گذرا اور اس درس کے سلسلے میں وہ کتابیں ہیں جن کو تالیف ہوئے ابھی ڈیڑھ سو برس بھی نہیں گذرے۔ میر غلام علی سبحۃ المرجان میں فرماتے ہیں کہ ملا نظام الدین علیہ الرحمۃ نے ۱۱۶۱ھ میں انتقال فرمایا ہے۔

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تفسیر جس میں اگلے زمانے کے علمی مزعومات سے ہم نے خبر دی ہے۔ آپ بزرگوں کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں، میرا جہاں تک خیال ہے ایسے تاریخی واقعات کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا پھر فرمائیے ہم کو اس زمانے کی مزعومات کا بھی خیال کرنا ضروری ہے یا نہیں، میرا جہاں تک خیال ہے ایسے تاریخی واقعات کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا پھر فرمائیے ہم کو اس زمانے کی مزعومات کا بھی خیال کرنا ضروری ہے یا نہیں ——— شاید ضرورتیں آپ بزرگوں کے فہم میں پوری طرح نہیں آئیں ورنہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب سے پہلے ان ذخیروں سے کہیں آگے آپ بزرگان ہوتے تو علوم الہیہ حدیثہ سب ایک نئے ڈھنگ کے ہو جاتے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ فضل خدا سے ہم نئے لوگوں میں بہت ہے مگر اصلی مذہبی جوش اور سچی بھی خواہی آپ ہی بزرگوں کو حاصل ہے آپ ہی لوگوں کی صلاح اور تقویٰ و خلوص نیت و برکت کی طفیل گستری نے ہم لوگوں کو ہلاک و زندقہ و الحاد سے بچایا ہے ورنہ نیچریت کا سبز باغ دیکھ کر ہم کبھی کے ادھر سے ادھر ہو گئے ہوتے اللھم احفظنا عما حرفنا بعد از یہ تمنا، اب زمانے کی علمی مزعومات پر بھی ذرا غور فرمائیے، ایک زمانہ وہ تھا کہ یونانی فلسفہ دنیا میں تسلیم کر لیا گیا، ہر سائنس کا وہی دستور العمل، تمام مباحث علمیہ کا اسی پہ مدار تھا۔ ہمارے اسلام کے مقدس بزرگوں نے بھی اسی کو عربی میں ترجمہ کیا، پھر اس کے اصول و فروع پر جرح کیں، اعتراضات کی بوچھاڑ سے اس کے معتقدین کو گھبرا دیا، مخالفین جو قدم عالم کے قائل تھے ہمارے حشر و نشر کے عقیدے پر معترض ہوتے، ہمارے بزرگوں نے انہیں کے اصول سے حدوث عالم وغیرہ ثابت کیا، ابن رشد وغیرہ کا ترجیدی لکھ کر جو اعتراض تھا اس کا کافی جواب دیا گیا اور انہیں کی اصطلاحوں اور اصول پر مستقل کتابیں لکھی گئے، امام رازی کی تفسیر اور شرح اشارات اور امام غزالی کی تہافت الفلاسفہ ایسے مسائل سے مملو ہیں اور آپ لوگ اس سے خوب واقف ہیں۔

. . . .

حضرات! اسی طرح اس زمانے میں فلسفے نے ایک دوسری کروٹ لی ہے جو اگلے زمانے کے فلسفے سے بہت کچھ فرق رکھتا ہے اور جیسے دائرہ پیشین میں مثلاً، کہ فلسفہ شہرۂ آفاق تھا، اب یورپین فلسفہ اور علم تمام دنیا میں دائر و سائر ہے اور طرح طرح کے علوم و فنون نئے پیدا ہوئے مثلاً اصول گریویٹیشن، علم جیالوجی، ہیئت وغیرہ وغیرہ، اب علم نے نیا ڈھنگ یہ نکالا کہ آسمان کا وجود ہی نہیں، زمین بھی ایک سیارہ ہے، سورج کے گرد دورہ کیا کرتی ہے، وغیرہ ذالک۔ اب ان اصول پہ اسلامی عقائد و مسائل پر حملے شروع ہوئے علم جغرافیہ نے ثابت کر دیا ہے کہ زمین کروی ہے مسطح نہیں، اب اس قاعدے کے مطابق قرآنی الفاظ پر اعتراض ہونے لگے۔ ہماری جماعت کسی اعتراض کے جواب سے عاجز نہیں، ضرور اس کا جواب دیتی ہے اور ہمارے متقدمین اصول مزعومہ کی طرح اس کو تسلیم بھی کر لیتے ہیں مگر مخالفین اس پر قہقہہ لگاتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ صدرا، شمس بازغہ کی اصطلاح کو نہیں سمجھتے اور نہ ہم ہیئت اور سر آئزک نیوٹن کی اصطلاحات سے واقف۔ سوال از آسمان باشد جواب از ریسمان گویا یہ کا مصداق

جاتا ہے اور اس پر طرفہ یہ ہے کہ قاموس و صحاح جوہری بھی معترضوں کو حفظ نہیں۔

ہم لوگوں نے آپ حضرات سے شرح چغمینی و تصریح وغیرہ پڑھی ہیں، اس میں علم جغرافیہ کے مباحث بھی پڑھے ہیں، اس زمانے کے خیال کے مطابق ربع مسکون سات اقلیموں پر منقسم تھا اور جس میں کوہ الوند جو ایران کا ایک پہاڑ ہے دنیا میں سب سے بڑا پہاڑ قرار دیا گیا تھا، اب اس زمانے کے جغرافیہ نے ان سب خیالوں کا ناس کر دیا۔ اب کرے کی دوسری طرف بھی آباد اور مردم خیز ملک جس کو امریکہ کہتے ہیں اور اس سات کی چار تقسیمیں ہو گئیں، یورپ، ایشیا، افریقہ، آسٹریلیا، کوہ الوند کا ذکر کسی اسکول لڑکے سے بھی ہم کریں تو وہ پاگل خانے جانے کے قابل سمجھے اب تو ہمالہ سب سے بڑا پہاڑ سمجھا جاتا ہے۔ الغرض دنیا کا ایک نیا انداز ہو گیا ہے۔ بخدا نئے لا یزال جنبر قوموں کے سامنے مجھے تفاسیر و قصص کی مقدس حکایات و امثال بیان کرتے بھی شرم آتی ہے۔ ہماری اکثر کتابوں میں اس زمانے کے خیالات کے بموجب صدہا قصص و حکایات بھرے ہوئے ہیں جن پر آج مخالفین اسلام برہمو سماج، آریہ، عیسائی، نیچری قہقہہ لگاتے ہیں مگر ہم لوگوں نے دوسری گلستان پڑھی نہیں خواہ مخواہ انہیں بیانات پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایک صاحب نے اپنے پُر اثر وعظ میں ایک حکایت کا ذکر کیا کہ کسی بزرگ کا جہاز گھوڑ مونہوں کے جزیرے میں جا پہنچا ان لوگوں کا جسم تو آدمی کا سا ہے مگر منہ گھوڑے کا سا۔ الخ۔ اس جملے پر اس جلسے کے حاضرین جو نئے علوم کے تعلیم یافتہ تھے حضرت کے منہ کو دیکھنے لگے۔ اور نہایت متحیر تھے۔ درحقیقت وہ بزرگ اپنے اس اظہار حال پر مجبور تھے ہماری صدہا کتابوں میں ایسے قصص لکھے ہوئے ہیں جن کو اس زمانہ کے تجربے نے غلط ثابت کر دیا ہے۔

رفتار زمانہ کی رعایت پر زور دیتے ہوئے آگے چل کر علمائے کرام کو یوں مخاطب فرماتے ہیں :۔

"اے مقدس علماء! یہ بھی خیال شریف میں رکھیے کہ ان نئے علوم و اصطلاحات عربیہ کی فقط تکمیل و تحصیل ہی کو ضرورت نہیں بلکہ ان کے بغیر ہماری فقہ وغیرہ بھی بالکل ناقص ہو رہی ہے صدہا چیزیں ضروریات زمانہ کی وجہ سے ایسی نئی پیدا ہو گئی ہیں جن کے مسائل فقہیہ حلت و حرمت و جواز و ناجواز کے فتاوے میں داخل کرنا چاہیئے اور بیکار باتیں جن کی اب ضرورت نہیں ان کو خارج کرنا چاہیئے"

اس کے بعد اس دور کے پیدا شدہ مسائل کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ہماری کتب فقہ میں ان نئے ابواب کا اضافہ ہونا چاہیئے پھر بتایا ہے کہ پہلے کتب فقہ طحطاوی میں نماز عشا و صبح پڑھنے کی بحث آئی تھی اب آئس لینڈ میں نمازیں ادا کرنے کے مباحث قلمبند کرنے چاہئیں۔ پھر آگے چل کر بتایا ہے کہ ہماری کتب فقہ میں خمریات کی بحث میں ما یتخذ من الحنطۃ والشعیر والذرۃ کا ذکر ہے لیکن اب آئے یوں ہونا چاہیئے۔

و ما یتخذ من العنب علی اقسام منہا ما یکون قلیل السکر و کثیر السرور یقال لہ پوٹ وائن و لونہ احمر، و منہا ما یشتد غلیانہ و یغلو یقال لہ برانڈی ایکشا نمبر تھری، و یکون ابیض بحکمہ کذا و کذلک شمپین و اسپرٹ و انیس و الرم و البیرہ و امثالہ،

پھر لکھتے ہیں :-

مثلی ہذا القیاس کتاب المنظر والا ہامہ میں آب شمس اور آب سحن کی جگہ سوڈا واٹر، لیمنیڈ اور جنجر واٹر کے مسائل لکھنے چاہئیں - بلا ضرورت مسائل کے مطارحات اور ضروری مسائل کی فروگذاشت انصاف و دیانت کے خلاف ہے -

اس کے بعد اپنے اس شغف کا ذکر کیا ہے جو ممدوح کو ہومیو پیتھک طریق علاج سے تھا اور بتایا ہے کہ اسپرٹ اور الکوہال کے بغیر یہ دوائیں نہیں بنتیں اس لئے اس کی حلت و حرمت دریافت کرنے کے لئے اپنے دو اساتذہ (مولانا عبدالحئی فرنگی محلی اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی) سے استفتا کیا اور کسی کے جواب سے تسکین نہیں ہوئی پھر فرمایا کہ :-

تھک ہار کر میں نے خود تحقیقات شروع کی، پہلے اسپرٹ کی ماہیت دریافت کرنے کے لئے نارمیٹیسی مٹریا میڈیکا وغیرہ خوب بغور دیکھا، پھر اس کے مرکبات یعنی کمپونڈ کی حتی تجربات کر دیکھا، میری سمجھ میں حرمت کسی طرح نہیں آئی - پھر بھی مجھ کو مجرد اپنی رائے پر وثوق نہ ہوا اور احتیاط نے ایسا مجبور کیا کہ میرا ہومیو پیتھک ڈیلین چٹ، بالکل مجھ سے علیحدہ ہو گیا اور آج سات برس ہونے کو مجھے ان دواؤں کے علاج و معالجہ سے بالکل بے سروکاری ہے - میرا ذاتی نقصان تو اس میں چنداں نہ ہوا، اور کوئی دل لگی کا شغل نکل آیا مگر میرے وطن کے غربا بلکہ متوسط درجے کے لوگوں کو بہت نقصانِ عظیم اٹھانا پڑا، وہ لوگ مدتوں سے اس مفت دوا کے عادی تھے - اب غور فرمائیے یہ نقصان کس کے تغافل سے ہے ؛ میرے ہی تغافل سے، ہم لوگوں نے جب اسپرٹ و الکوہال نام سنا تو متحیر ہو گئے کہ یہ کیا بلا ہے معہذا کسی مستفتی لماس کے معنے بھی روح شراب و جوہر شراب تبلا دیئے تو پھر یہ بندگان درمختار و عالمگیری سے باہر تحقیقات کے لئے نہ نکلے بھی تو تحفۃ المومنین و مخزن الادویہ کے میدانوں میں جا پڑے اور آخر ان چیزوں کا سراغ نہ لگا مجبوراً فتویٰ واپس ہے۔

اس کے بعد اس دور کے ایک مسئلے کی طرف علماء کی توجہ دلائی ہے کہ اب تک ٹیلیفون اور ٹیلی گراف کی خبروں کے شرعی مقام کا تعین نہیں ہو سکا ہے - اس کو حل کرنے کے ساتھ ہی علمائے عصر کو اخبار بینی اور دوسرے وسائل معلومات کے ذریعے دنیا کے اور خصوصاً عالم اسلام کے حالات سے باخبر رہنے کی طرف متوجہ کیا تاکہ ان نئے نئے علوم سے بھی باخبر رہیں جن کی مدد سے اسلام پر جدید انداز سے حملے کئے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں دو چیزوں پر بہت زور دیا - ایک سیر و سیاحت اور دوسری کتب خانوں کی تلاش - یہاں امام بخاری، امام غزالی، امام ابن عربی، خواجہ معین الدین چشتی، بابا فرید الدین گنج شکر وغیرہم کی مثالیں دی ہیں اور مقدمہ ابن خلدون کی اس فصل کا ذکر فرمایا ہے -

فصل فی ان الرحلۃ فی طلب العلوم ولقاء المشیخۃ مزید کمال فی التعلم

یعنی فصل اس بیان میں کہ طلب علم اور شیوخ علم کی ملاقات کے لئے سفر کرنا حصول علم میں مزید کمال پیدا کرتا ہے -

؎ یہ ایک کتاب کا نام ہے اس میں ہر ایک شئے کی جدا جدا ماہیت اور اس کے ملانے کی ترکیب ہے -